تفسیر احمد

سُورَةُ اللَّيْل

Ketabton.com

جزء - 30

سوره «اللیل» کا تفسیر و ترجمه

تصنیف: امین الدین « سعیدي - سعید افغانی»

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم الله الرحمن الرحیم
سورة اللیل
جزء ۳۰
یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے اس کی ۲۱ آیتیں ہیں

وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام اس لیے اللیل رکھا گیا ہےکہ خدا نے رات کی قسم کھائی ہے جس کا اندھیرا دنیا کو ڈھانپنے والا ہے سورت اس سے شروع ہوئی ہے۔

سورة اللیل نے سورة الاعلی کے بعد شرف نزول پایا۔

سورة اللیل کا سورة الشمس سے ربط و مناسبت

سورة الیل کا عمومی موضوع کچھ حد تک سورة الشمس کے موضوع سے مشابہ ہے، دونوں سورتیں ایک دوسرے کی تفسیر معلوم ہوتی ہیں، اور مواد وہی ہے جو سورہ شمس میں مختلف انداز میں سمجھایا گیا ہے جبکہ اس سورت میں دوسرے انداز میں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک دوسرے کے قریب قریب نازل ہوئی ہیں۔

سورہ شمس میں تزکیہ شدہ روح کی کامیابی اور اس کی پاکیزگی کی بات کی گئی ہے اور گناہوں میں ڈوبی ہوئی روح کے نقصان کے بارے میں بحث کی گئی ہے، (ملاحظہ فرمائیں: آیات مبارکہ: ۹ اور ۱۰) اور سورہ لیل ان اوصاف کے بارے میں بتاتی ہے جن سے کامیابی ملتی ہے، اور ان چیزوں کے بارے میں بتاتی ہے جن سے انسان کو نقصان اور مایوسی ہوتی ہے، (آیت:۵) گویا یہ آیات اوپر والی دوآیتوں کی وضاحت اور بیان ہے۔

سورت کی ابتداء لیل سے ہوئی ہے جو بخیل کے بخل سے مناسبت رکھتی ہے، کیونکہ بخل بخیل کی بدبختی اور مایوسی کا سبب ہے۔

سورة اللیل کے الفاظ، آیات اور حروف کی تعداد

سورہ الیل کا ایک (۱) رکوع، اکیس (۲۱) آیتیں، اور اکہتر (۷۱) الفاظ، تین سو چودہ (۳۱۴) حروف اور ایک سو سینتیس (۱۳۷) نقطے ہیں۔

(واضح رہے کہ سورتوں کے حروف کی تعداد میں علماء کی آراء مختلف ہیں، اس بحث کی تفصیل کے لیے سورہ "طور" تفسیر احمد کی طرف رجوع کریں)

سورة اللیل کی آیات کا مکی اور مدنی ہونا

یہ دیکھتے ہوئے کہ بعض روایات اس سورت کے مکی ہونے اور بعض دیگر روایات اس کے مدنی ہونے کی نشاندہی کرتی ہیں مگر اس سورت کی آیات کا سیاق و سباق اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ آیا یہ مکی ہے یا مدنی؛ اس لیے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں حکم لگانا ممکن نہیں ہے، سورت کی ابتداء میں تین قسموں کے ذکر کرنے کے بعد لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیاگیا ہے: تقویٰ کے ساتھ خرچ کرنے والے، اور بخیل جو قیامت کے دن کے اجر کو جھٹلاتے ہیں، پہلے گروہ کے لیے انجام کی خوشی، سہولت اور سکون ہے، جبکہ دوسرے گروہ کے کام کا انجام مشکلات اور مصائب ہیں۔

اس سورت کے ایک اور حصے میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ بندوں کی ہدایت خدا کے پاس ہے، سب کو جہنم کی آگ سے ڈرا یاگیا ہے، اور آخری حصے میں اس آگ میں جلنے والوں اور اس سے نجات پانے والے گروہوں کا ان کی اوصاف کے ساتھ تعارف کرایا گیاہے۔

سورۃ الیل کا سبب نزول

مفسرین کی کثیر تعداد نے اس سورت کے شان نزول میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ:

ایک مسلمان کے کھجوروں کے درخت میں سے ایک درخت کی ٹہنی ایک غریب آدمی کے گھر کے اوپر تھی، کھجور کا مالک جب بھی کھجوریں توڑنے کے لیے درخت پر چڑھتا تو چند کھجوریں فقیر کے گھر میں گرجاتیں، اس کے بچے اٹھا لیتے، تو کھجور کا مالک درخت سے اُتر کر ان بچوں سے کھجور لے لیتا، اس غریب آدمی نے جاکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاکر اس مسئلے کو حل کردیتے ہیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے مالک کے پاس تشریف لائے اور اس سے کہا: تیرے اس کھجور کے درخت کی شاخیں جو فلاں آدمی کے گھر کے اوپر گئی ہوئی ہیں مجھے دو گے، اس کے بدلے جنت میں ایک درخت تمہیں ملے گا؟

اس نے کہا: میرے پاس بہت سارے کھجور کے درخت ہیں، ان میں سے کسی کا پھل اس جیسا نہیں ہے، میں ایسا سودا کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک نے یہ بات سُن لی، عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر میں جاکر یہ درخت اس سے خرید کر حوالے کردو ں تو کیا وہی چیز آپ مجھے عطا کردیں گے جو اسے دے رہے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔

اُس آدمی نے جاکر درخت کے مالک سے اس بارے میں بات کی، کھجور کے مالک نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ محمد مجھے اس کے بدلے جنت کا درخت دینے کو تیار تھا مگر میں نے نہیں دیا ۔

خریدار نے کہا: کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟

کہا: میں نہیں بیچتا، مگر ایسی قیمت پر کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص

(c) ketabton.com: The Digital Library

مجھے وہ قیمت دے گا۔
اس نے کہا: کتنی رقم؟
کہا: چالیس کھجور کے درخت۔
خریدارنے متعجب ہوکر کہا: واہ،تم کھجور کے اس درخت کی بھاری اور مہنگی قیمت مانگ رہے ہو جو ٹیڑھا بھی ہے، اس کے بدلےچالیس کھجور کے درخت!پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد بولا! بہت اچھا، چالیس کھجور کے درخت تجھے دوں گا۔
بیچنے والے لالچی نے کہا: اگر تم سچ کہتے ہو تو چند آدمی گواہ کے طور پر بلالو، اتفاق سے کچھ لوگ وہاں سے گزر رہے تھے انہیں آواز دی، اور اس معاملے کا گواہ بنادیا۔
پھر وہ بندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور کہا: کھجور کا درخت میری ملکیت میں ہے، اور آپ کی خدمت مبارک میں پیش کرتا ہوں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس غریب آدمی گھر تشریف لے گئے اور اس کے گھرانے کے سربراہ سے فرمایا: یہ کھجور کا درخت آپ کا اور آپ کا بچوں کا ہے۔
اس موقع پر سورہ" لیل" نازل ہوئی، جس میں بخیلوں اور سعادت کرنے والوں کے بارے میں بہت کچھ بیان کیاگیا۔

سورة الیل کی آیات مبارکہ کا موضوع

یہ سورت زندگی کے طریقوں میں لوگوں کے درمیان فرق کی طرف اشارہ کرتی ہے اور آخرت میں ان طریقوں میں سے ہر ایک کے اثرات کی وضاحت کرتی ہے، مثلاً بیان کرتی ہے: جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ کے وعدوں کو تسلیم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اسے ہمیشہ کی زندگی اور ابدی خوشی عطافرمائے گا، اور جو شخص بخل کرتا ہے اور اپنی اندرونی مخفی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہےاور خدا کے اچھے وعدوں کو رد کرتا ہے، تو خدا تعالیٰ اس کاانجام بُرا بنا دیتا ہے اور آخرت میں اس کا مال اس کے کوئی کام نہیں آئے گا۔

سورہ "لیل" کا تاریخی موضوع

اس سورت میں کسی اہم تاریخی مسئلہ کا ذکر نہیں ہے اور صرف ایک بخیل کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس نے اپنی دولت کے باوجود غریبوں کی مدد سے خود کو روکا تھا، مذکورہ شخص کھجور چنتے وقت زمین پر گھرا ہوا کھجور کا ایک دانہ بھی غریبوں کو دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔
اگر غلطی سے اس کے ہاتھ سے کوئی کھجور کا دانہ گرجاتا اور غریب کا بچہ اسے منہ میں ڈال دیتا تو وہ کھجور کے درخت سے اُتر کر بچے کے حلق سے نکال لیتا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

اس سورت میں اس بخیل اور کنجوس شخص اور دوسرے لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ عنقریب سختی دیکھیں گے اور اس دن ان کے پاس بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

سورة الليل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىۙ‏ ۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰىۙ‏ ۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓىۙ‏ ۳ اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰىؕ‏ ۴ فَاَمَّا مَنۡ
اَعۡطٰى وَاتَّقٰىۙ‏ ۵ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰىۙ‏ ۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰىؕ‏ ۷ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰىۙ‏ ۸ وَكَذَّبَ
بِالۡحُسۡنٰىۙ‏ ۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰىؕ‏ ۱۰ وَمَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ‏ ۱۱ اِنَّ عَلَيۡنَا لَلۡهُدٰىۖ‏ ۱۲ وَاِنَّ لَنَا
لَلۡاٰخِرَةَ وَالۡاُوۡلٰى‏ ۱۳ فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰىۚ‏ ۱۴ لَا يَصۡلٰٮهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَىۙ‏ ۱۵ الَّذِىۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰىؕ‏ ۱۶
وَسَيُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَىۙ‏ ۱۷ الَّذِىۡ يُؤۡتِىۡ مَالَهٗ يَتَزَكّٰىۚ‏ ۱۸ وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓىۙ‏ ۱۹ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ
رَبِّهِ الۡاَعۡلٰىۚ‏ ۲۰ وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰىؕ‏ ۲۱

سورت کا مختصرترجمه

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع کرتاھوں الله کے نام سے جوبڑا مهربان نهایت رحم والاھے
وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىۙ‏ ۱	قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے (١)
وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰىۙ‏ ۲	اور دن کی جب وہ روشن ہو!(٢)
وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓىۙ‏ ۳	اور اس ذات کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیا (٣)
اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰىؕ‏ ۴	بے شک تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے (٤)
فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰىۙ‏ ۵	تو جس نے خرچ کیا اور پرہیزگاری کی (٥)
وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰىۙ‏ ۶	اور بھلائی کو سچ مانا (٦)
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰىؕ‏ ۷	تو یقیناً ہم اسے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے (٧)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰىۙ‏ ﴿۸﴾	وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا اور بےنیازی اختیار کی (۸)
وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰىۙ‏ ﴿۹﴾	اور اس نے سب سے اچھی بات جھٹلائی (۹)
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰىؕ‏ ﴿۱۰﴾	تو یقیناً ہم اسے مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے (۱۰)
وَمَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ‏ ﴿۱۱﴾	اور جب وہ ہلاک ہو تو اس کا مال اس کے کچھ کام نہیں آئے گا (۱۱)
اِنَّ عَلَيۡنَا لَلۡهُدٰىۖ‏ ﴿۱۲﴾	یہ سچ ہے کہ راستہ بتلا دینا ہمارے ذمے ہے (۱۲)
وَاِنَّ لَـنَا لَلۡاٰخِرَةَ وَالۡاُوۡلٰى‏ ﴿۱۳﴾	اور بلاشبہ ہمارے ہی اختیار میں دنیا اور آخرت ہے (۱۳)
فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰىۚ‏ ﴿۱۴﴾	سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کیا (۱۴)
لَا يَصۡلٰٮهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَىۙ‏ ﴿۱۵﴾	جس میں اس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا (۱۵)
الَّذِىۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰىؕ‏ ﴿۱۶﴾	جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا (۱٦)
وَسَيُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَىۙ‏ ﴿۱۷﴾	اور اُس سے دور رہے گا نہایت پرہیزگار (۱۷)
وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓىۙ‏ ﴿۱۹﴾	اور نہیں کسی کا اس پر احسان جس کا بدلہ دے (۱۹)
الَّذِىۡ يُؤۡتِىۡ مَالَهٗ يَتَزَكّٰىۚ‏ ﴿۱۸﴾	جو اپنا مال (اس لیے) دیتا ہے کہ پاک ہوجائے (۱۸)
اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰىۚ‏ ﴿۲۰﴾	صرف اپنے رب کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے (۲۰)
وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰىؕ‏ ﴿۲۱﴾	اور وہ عنقریب خوش ہوجائے گا (۲۱)

سورت کی تفسیر

آیات مبارکہ (۱ تا ۱۱) میں لوگوں کی جستجو اور مختلف کوشش جیسے موضوعات کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىۙ‏ ﴿۱﴾	قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے (۱)

(c) ketabton.com: The Digital Library

قسم ہے رات کی جب وہ دن کو ڈھانپ لیتی ہے، جب دنیا کو اپنے اندھیرے میں لپیٹ لیتی ہے، وہ رات جو زمین کی سطح اور تمام اشیاء کو اپنی تاریکی میں گھیر لیتی ہے، وہ رات جو تمام جانوروں اور انسانوں کو آرام اور سکون پہنچاتی ہے۔

"يَغْشٰى" گھیرتا اور ڈھانپ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رات کی قسم کھاتا ہے کہ لباس کی طرح سب چیزوں کو ڈھانپ لیتی ہے اور اندھیرا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کی قسم کھا سکتا ہے، کیونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ بڑی اور اہم چیزوں کی قسم کھاتا ہے، اور رات بھی اہم چیزہے کہ یہ اپنی تاریکی کے ذریعے راحت اور سکون کا باعث بنتی ہے، بعض علماء کی رائے کے مطابق، اس سورت کا آغاز رات سے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں بخیل انسانوں کے بارے میں بات ہوئی ہے کہ ان کے اعمال رات کی طرح سیاہ اور تاریک ہیں۔

رات اور دن کی قسم کھانے میں جو باریک نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں،یہ اشارہ کائنات کے ثنوی نظام کی طرف مثلا مؤنث اور مذکر، اچھائی اور برائی، سختی اور آسانی، تصدیق اور تکذیب وغیرہ جن سے اس سورت کا موضوع تشکیل پاتا ہے۔

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰىۙ۝۲	اور دن کی جب وہ روشن ہو!(۲)

قسم ہے دن کی جب وہ ظاہر ہوجاتا ہے، دن جس کی روشنی رات کے اندھیرے کو بھگاتی ہے، اور تمام انسانوں اور جانوروں کو پھر سے کام اور جدوجہد میں لگاتا ہے۔

"تَجَلّٰى" روشن اور ظاہر ہوا، واضح ہوا۔

مفسرین فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی ہے جو تمام مخلوق کے آرام کا وقت ہے، انسان اور حیوان رات کو اپنے اپنے ٹھکانوں میں پناہ لیتے ہیں، محنت مشقت اور حرکت سے رہائی پاتے ہیں، اور دن کی قسم کھائی ہے جس کے دوران لوگ اپنے معاش کی تلاش اور جستجو میں لگ جاتے ہیں، اس قسم کی حکمت کے لاتعداد فائدے ہیں جو دونوں کے ایک دوسرے کےبعد آنے اور تعاقب سے حاصل ہوتے ہیں۔

کیونکہ اگر ساری زندگی رات ہوتی تو زندگی ناممکن ہوجاتی اور اگر ہمیشہ دن ہوتا تو انسان کو سکون نہ ملے ، اور انسانی مفادات میں خلل پڑتا ۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓىۙ۝۳	اور اس ذات کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیا (۳)

ہمارے پروردگار مذکورہ آیات میں فرماتے ہیں: رات کی قسم جب وہ دن کو

(c) ketabton.com: The Digital Library

ڈھانپ لیتی ہے، اور دن کی قسم جب وہ نکلتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے، اور چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے، اور اس عظیم اور حیرت انگیز ذات کی قسم جو دو جنسوں، نر اور مادہ کو ایک نوع واحد سے پیدا کرتی ہے۔
بعض مفسرین نے "ما" کو ما مصدریہ کہا ہے کہ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا: "نر اور مادہ کی تخلیق کی قسم": "الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ" سے مراد تمام مخلوق میں نر اور مادہ کی جنس ہے، انسانوں اور حیوانات، حشرات اور تمام اقسام کے پودے اور تمام اشیاء میں، یاد رہےکہ: جانوروں اور انسانوں میں نظام زوجیت یعنی جوڑے جوڑے بنانے کا نظام الله سبحانہ و تعالیٰ کی حکمت کی نشانی ہے۔

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ﴿٤﴾	بے شک تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے (۴)

اس لیے تمہاری جزاء اور سزاء بھی مختلف نوعیتوں کی ہو گی۔
ابن کثیرفرماتے ہیں: چونکہ قسم متضاد چیزوں پر تھی اس لیے مقسم علیہ یعنی جواب قسم بھی متضاد اور مختلف ہو گا۔
اس لیے فرمایا: "یقیناً تمہاری کوشش مختلف ہے" یعنی: تمہارےعمل بھی مختلف اور متضاد ہیں، ان میں سے بعض کا عمل خیرہے، اور بعض کا عمل شر، اور بعض ان میں جنت کے لیے اور بعض دوزخ کے لیے، کوئی اپنے نفس کی نجات کےلیے کوشش اور جدوجہد کرتا ہے کوئی اس کی بربادی اور ہلاکت کےلیے۔
"لَشَتَّىٰ"جمع ہے شَتِیت کی، معنی ہے بکھرے ہوئے، مطلب یہ کہ تمام لوگوں کی کاوشیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ایک گروہ نیک، پرہیزگار تو ایک بد کردار اور برا، بعض مؤمن اور صادق تو بعض کافر ، فاسق، بعض جسمانی آسائشوں کےلیے کوشاں تو بعض انسانی خدمت اور الله کی رضا کے حصول اور اس کے احکام کے نفاذ میں مصروف، اور یہ آیت دو الگ الگ راستوں اور مختلف سمتوں کو بیان کرتی ہے اور قسم کا جواب بھی ہے۔
بعض مفسرین آیت "إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: انسان کو قدرتی طور پر کسی کام کو سرانجام دینے کےلیے کوششیں اور جدوجہد کی عادت پڑی ہے، لیکن اس کوشش میں بعض لوگوں کو دائمی آسائش ملتی ہے، اور بعض دوسرے اس کی کوشش سے ہمیشہ والا عذاب خریدتے ہیں۔
جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: جو بھی صبح اٹھتا ہے، وہ کسی نہ کسی معاملے میں مشغول ہوجاتا ہے، اس معاملے میں کوئی بندہ کامیاب ہوکر اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے رہائی دلاتا ہے، بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کی جدوجہد

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور کوشش ان کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔
عقلمندی یہ ہے کہ لوگ پہلے اپنے کام پر غور کریں، اور وہ عمل جو وقتی طور پر سکون اور آرام کا باعث ہو، مگر آخرت میں عذاب کا سبب بنے، انسان کو ان سے ہوشیار رہنا چاہیے ۔

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰىۙ‏ ○	تو جس نے خرچ کیا اور پرہیزگاری کی (۵)

یعنی جس نے (اللہ کے راستے میں اپنا مال) دیا اور معاف کردیا، تقوی اور پرہیزگاری کو وتیرہ بنایا، (اور اپنے رب سے ڈرتا رہا)۔
شاید تقوی کے ساتھ دینے سے مراد یہ ہے کہ یہ خالص نیت اور کسی منت سماجت کے بغیردیا گیا ہے، یہ حلال مال سے اور خدا کی راہ میں ہو، یہ تمام معنی لفظ تقوی میں شامل ہیں۔
ابن کثیر ؒ نے فرمایا: وہ مال دے جس کے دینے کا اُسے حکم دیا گیا ہو اور اپنے کاموں میں خدا سے ڈرے، (مختصر: ۳/۶۴۶)
"اَعۡطٰى" خرچ کیا اور دیا، خرچ کیا اور تقسیم کیا۔

"وَاتَّقٰى" اللہ سے ڈرا، تقوی اور پرہیزگاری اختیار کی۔

آیت مبارکہ کا شان نزول

حاکم نے عامر بن عبداللہ بن زبیر سے اس نے اپنے والد سے روایت کیا ہے:
ابوقحافہ (ابوبکرؓ کے والد)نے ابوبکر ؓ سے کہا: پیارے بیٹے! ہم دیکھتے ہیں کہ تم صرف اُن غلاموں اور لونڈیوں کو جو کمزور، بیچارے اور محتاج ہیں آزاد کرتے ہو، اگر تم مضبوط اور طاقتور مردوں کو آزاد کروگے تو وہ تمہارے حمایتی بنیں گے اور تمہاری مدد کریں گے، ابوبکر صدیق ؓ نے کہا: ابو جان! میرا یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لیے ہے، پس"فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى" نازل ہوتی۔
جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے: (قَالَ أَبُو قُحَافَةَ لِأَبِي بَكْرٍ: أَرَاكَ تُعْتِقُ رِقَابًا ضِعَافًا فَلَوْ أَنَّكَ إِذْ فَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ أَعْتَقْتَ رِجَالًا جَلْدًا يَمْنَعُونَكَ وَيَقُومُونَ دُونَكَ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا أَبَتِ إِنِّي إِنَّمَا أُرِيدُ مَا أُرِيدُ لِمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَاتُ فِيهِ: فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰىۙ‏ ○۵ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰىۙ‏ ○۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰىؕ‏ ○۷ إِلَى قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓىۙ ○۱۹ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰىۚ‏ ○۲۰ وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰى ○۲۱(اللیل: ۲۱-۵) (حاکم: ۳۹۴۲) حکم سند: حَسَنٌ۔

وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰىۙ‏ ○۶	اور بھلائی کو سچ مانا (۶)

اور اسے اچھے ثواب (اللہ کی طرف سے اس جہاں میں اور آخرت میں اجر)

(c) ketabton.com: The Digital Library

پر ایمان اور یقین ہونا چاہیے،"الْحُسْنٰى" اللہ کی طرف سے اچھا بدلہ جو اس دنیا میں مؤمنوں کے حصے میں آتا ہے، اور خدا تعالیٰ سب سے بہترین بدلہ جو اُس جہاں میں مسلمانوں کو نصیب ہوگا، ایسا خیر اور بھلائی جسے اللہ تعالیٰ خودخیر کہتا ہے، **یعنی:** وہ آدمی جو مال خرچ کرتا اور بخشتا ہے اور تقوی اختیار کرتا ہے، اچھی چیز اور اچھائی پر ایمان رکھتا ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ: اچھے اور بُرے، نیکی اور بدی کو برابر نہیں سمجھتا، اور فطرتاً وہ نیکیوں اور بُرے کاموں کی جزا وسزا پر یقین رکھتا ہے۔
"الْحُسْنٰى" یہ صفت مشبہ یا صفت تفضیلی ہوسکتی ہے۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ○	تو یقیناً ہم اسے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے (٧)

جلد ہی ہم اس کے لیے ایک آسان راستہ بنائیں گے، رکاوٹوں اور مشکلات کو اس کے لیے آسان بنادیں گے، اور اچھے کام کی توفیق دیں گے، اسے خوشحالی اور راحت کے لیے تیار کریں گے۔
"نُيَسِّرُهٗ" اسے تیار کریں گے۔
"اَلْيُسْرٰى" خوشحالی اور راحت، سادہ اور آسان، آیت: "فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى" دو معنی کو متضمّن ہے:
اول: اسے آخرت کی خوشحال اور آرام دہ زندگی کے لیے تیار کریں گے، (رجوع کریں: سورہ نحل آیت: ٩٧)
دوم: اسے آسان اور معمولی کاموں کے انجام دہی کے لیے تیار کریں گے جو پہلے اس کے لیے مشکل اور سخت تھے۔
یعنی اللہ کے راستے پر قدم رکھنے کی روشنی میں ہم اس کے لیے مسائل کو آسان بناتے ہیں اور اسے ان میں کامیاب کرتے ہیں، (مراجعہ کیا جائے آیت: "١٦" سورہ مائدہ اور "٦٩" سورہ عنکبوت)
دراصل قیامت اوراللہ کی طرف سے ملنے والے اجر پر ایمان انسان کی نظر میں تمام مسائل کو سہل اور آسان بنادیتا ہے، پھر وہ نہ صرف اپنا مال؛ بلکہ اپنی جان بھی خلوص کے ساتھ لگاتا ہے، اور اس اللہ کے دین میں قربانی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔
یہ آیت اس اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ خدا ان بندوں کی جو خلوص نیت سے اطاعت، بندگی ،تقوی اور انفاق کی راہ پر چلتے ہیں کامیاب فرماتا اور توفیق بخشتا ہے، اور اس راہ میں ان کی حرکت اور چلنے کو آسان بنادیتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

حقیقت یہ ہے کہ نیک عمل-جیسے: "انفاق" انسان کے لیے ابتداء میں بہت مشکل ہے، لیکن بار بار اور تسلسل کے ساتھ کرنے سے آدمی کے لیے ایسا آسان ہوجاتا ہے کہ پھر اس سے لطف اندوز ہوتا ہے اورپھر اسے چھوڑ نا اس کے لیے مشکل ہوجاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ: قیامت پراور اللہ تعالیٰ کی طرف سےبے پناہ اجر و ثواب پر عقیدہ رکھنا انواع و اقسام کی مشکلات کو انسان کے لیے ایسا آسان بنا دیتا ہے کہ نہ صرف اپنا مال بلکہ اپنی جان بھی اخلاص کی ہتھیلی پر رکھ کر عشق شہادت کے میدان میں کود پڑتا ہے، اور اپنے اس ایثار و قربانی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

بعض مفسرین اس آیت کی تفسیر "فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى" میں لکھتے ہیں:"کہ اس کی بہت راہیں برائی اور مشکلات کی طرف ہموار کریں گے" یعنی: ہم اسے ایک مشکل خصلت اورمشکل کردار تیار کرتے ہیں، اس کا راستہ اس کے لیے ہموار کرتے ہیں، اس طرح کہ اس کے لیے خیر اور نیکی کے اسباب مشکل ہوجاتے ہیں، ان پر عمل کرنے سے کمزور اور سست ہوکر قاصر رہتا ہے، اور یہ کام خود اسے دوزخ کی طرف لے جائے گا جو بہت بُری جگہ اور بدترین ٹھکانہ ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں تھے تو آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے مگر یقیناً لکھا گیا ہے کہ اس کا ٹھکانہ جنت میں ہے، یا دوزخ میں ۔

صحابہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول**!**"اب جب سب کچھ لکھا گیا ہے" کیا ہم اس پر بھروسہ کرکے اکتفا نہ کریں (اور عمل سے ہاتھ کھینچ لیں؟) آپ نے فرمایا:عمل کرو کیونکہ ہر بندہ اس چیز کے لیے تیار ہوا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے، پس ہر وہ آدمی جو اہل سعادت میں سے ہے اسے اہل سعادت کے عمل انجام دینے کے لیے تیارکیا جائے گا اور جو آدمی اہل شقاوت اور بدبختوں میں سے ہے اسے بدبختوں والے عمل کے لیے تیار کیا جائے گا، پھرآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى" ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ: یہ آیت امیہ ابن خلف کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔

وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰىۙ ۝٨	وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا اور بےنیازی اختیار کی (۸)

اور وہ شخص جو (اپنے مال میں) بخل کرتا ہے اور مال و دولت کا خواہاں ،

(c) ketabton.com: The Digital Library

تنگ نظر اور بخیل ہے، (اور اللہ کی راہ میں اپنا مال سخاوت کے ساتھ خرچ نہ کرے) اور خود کو (اللہ تعالیٰ اور اس کی توفیق دنیوی اور اخروی اجر و ثواب سے) بے پرواہ سمجھے۔
ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: یعنی وہ مال خرچ کرنے سے باز رہے اور خود کو خدا کا محتاج نہ سمجھے۔
"اِسۡتَغۡنٰی" خو کو بے نیاز یعنی غیر محتاج جانا، یعنی اللہ تعالیٰ سے بے نیاز، اور اس کی مدد و نصرت سے اور اللہ کی ذات کے دنیوی اور اخروی اجر و ثواب سے بے پرواہ سمجھا۔
بخل کرنےوالو ں کو جاننا چاہیے کہ مال و دولت کا ہونا انسان کے لیے باعث نجات نہیں ہے۔
بخل کا نتیجہ آخر کار زوال ہے، انسانی صفات کی تکمیل میں تنزل، لوگوں کی نظروں میں گرنا اور جہنم میں جانا اور دنیوی درجات سے محروم ہوناہے۔

وَ كَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰىۙ۝۹	اور اس نے سب سے اچھی بات جھٹلائی (۹)

وہ روز جزا کے اچھے اجر کا انکار کرتا ہے، اور اچھے اجر کا اس دنیا میں) یقین نہیں رکھتا۔
مفسرین لکھتے ہیں: یعنی انفاق، صدقہ اور خیرات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے بدلے اور انعامات کا انکار کرے، ان عقا ئد کا انکار کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے:
بخل - واستغنی - وکذب بالحُسْنیٰ
۱-حق کو جھٹلانا
۲- مال کے بدلے اور متبادل کا انکار
۳- "لا الہ الااللہ" کی تکذیب
حسنیٰ یعنی ہر اچھی چیز کا انکار کرے یعنی آخرت کا، کلمہ توحیدکا اور آخرت میں جو چیز بھی سب سے بہترین اور قیمتی ہے اس سے انکار کرتا ہے، اور سب سے کہتا رہتا ہے کہ یہ سب افواہیں ہیں، جنت اور جہنم کا کوئی وجود نہیں ہے، جنت اور جہنم کا تعلق اسی دنیا سے ہے (یعنی دنیاوی اچھی زندگی جنت اور بری زندگی جہنم ہے) ۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰىؕ۝۱۰	تو یقیناً ہم اسے مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے (۱۰)

نیک اعمال کو اس کی نظر میں مشکل اور سخت بنادیں گے، اور اسے تیار کریں گے سختی اور مشقت کے لیے (جہنم کی مشکل اور دُکھی زندگی کے لیے)

(c) ketabton.com: The Digital Library

"اَلْعُسْرٰی" سختی اور مشقت، شدت اور محنت، نیک عمل کی توفیق نہ ملنے کی وجہ سے ذلت، دوزخ کا عذاب۔

مفسرین لکھتے ہیں: خیر کے راستے کو "یُسْرٰی" سےموسوم کیا ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ جنت میں داخل ہونا اور نعمتوں والا مقام ہے، اور شر کا راستہ"عُسْرٰی" سے موسوم کیاگیاہے، کیونکہ اس کا نتیجہ عُسر اور سختی ہے، یعنی دوزخ میں داخل ہونا ۔

حدیث مبارکہ امام بخاری اور مسلم کی روایت علی بن ابی طالب ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں تھے تو آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے مگر یقیناً لکھا گیا ہے کہ اس کا ٹھکانہ جنت میں ہے، یا دوزخ میں ہے۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰىؕ۱۱	اور جب وہ ہلاک ہو تو اس کا مال اس کے کچھ کام نہیں آئے گا (۱۱)

اور (موت کے وقت) دوزخ میں جاتے وقت اس کا مال اس کی حالت کو فائدہ نہیں دے گا۔

"اِذَا تَرَدّٰى" ہلاک ہوا، آگ میں گِر پڑا۔

اس آیت میں پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا گیاہے کو: جب انسان فوت ہوجاتاہے تو دولت اور جائیداد اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اس شخص کے برعکس جو پچھلی آیات میں مذکور ہے، یہاں ایک ایسے شخص کے بارے میں بیان ہے جو خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے، اور مال کو ذخیرہ کرنے اور دولت کمانے میں لگا رہتا ہے، اور اس نیک وعدے کا انکار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس خرچ کرنے والے شخص کو دیا ہے یہ انکار دراصل قیامت اور معاد کا انکار ہے، فرماتے ہیں: جو شخص ایسا ہے توہم اسےنیک عمل انجام دینے کی توفیق نہیں دیں گے، تاکہ وہ یہ عمل نہ کر سکے اور عذاب کے لیے تیار ہوجائے، اور جب ایسا شخص قبر میں یا جہنم اور تباہی کے گڑھے میں گِرےگا تو اس کا مال اس کے کس درد کی دوا ہوگا اور اس کو کیا فائدہ پہنچائے گا؟ یہ معنی اس وقت ہوگا جب "ما" استفہامیہ ہو، اگر "ما" نافیہ ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ایسے آدمی کو کہ جب ہلاکت کے گڑھے میں گِر جائے تو اس کا مال اس کو فائدہ نہیں دےگا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰىؗ۱۲	یہ سچ ہے کہ راستہ بتلا دینا ہمارے ذمے ہے (۱۲)

یقیناً ہدایت اور گمراہی کی راہ واضح کرنا اس کی نشاندہی کرنا اور بتانا ہمارے ذمے ہے، کہ ہدایت اور گمراہی کے راستے ہم لوگوں کے لیے روشن اور

(c) ketabton.com: The Digital Library

واضح کریں گے، سیدھے اور غلط راستے کی وضاحت کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ) (سورہ کہف: ٢٩) ترجمہ: اور کہہ دو کہ (لوگو) یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تو پس جو چاہے ایمان لائےاور جو چاہے کافر رہے ۔
"عَلَيْنَا" ہمارے ذمے ہے، "الْهُدٰى" رہنمائی کرنا، راہ دکھانا، راستہ دکھانا۔

وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ١٣	اور بلاشبہ ہمارے ہی اختیار میں دنیا اور آخرت ہے (١٣)

دنیا اور آخرت ہمارا ہے"لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ" وہ جہاں اور یہ جہاں، آخرت کا دنیا پر مقدم ہونا اس کی زیادہ اہمیت اور اصل مقصد ہونے کی وجہ سے ہے، یعنی ہر کام کی ابتداء اور انتہاء ہمارے ہاتھ میں ہے، اگر چاہتے ہو کہ تمہاری آخرت اچھی ہو تو اس کا راستہ ہدایت کو لازم پکڑنے اور تابعداری کرنے میں ہے، اگر چاہتے ہو کہ تمہاری دنیا اچھی ہو، تو اس اچھی دنیا تک پہنچنے کا راستہ بھی ہدایت ہے، اور اگر دنیا اور آخرت دونوں کو اچھا بنانا چاہتے ہو تو پھر بھی اس کا راستہ اسی ہدایت کی تابعداری اور اسے لازم پکڑنا ہے۔

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ١٤	سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کیا (١٤)

میں تمہیں اس خوفناک آگ سے خبردار کرتا ہوں جو جلتی ہے اور بھڑکتی ہے۔
"فَأَنذَرْتُكُمْ" تمہیں اس سے ڈرایا، میں نے خبردار کیا۔

"نَارًا تَلَظَّىٰ" ایسی آگ جو بھڑکتی ہے۔

"فَأَنذَرْتُكُمْ" یہ "انذار" کے مادے سے اور "نذر" اس کی بنیاد ہے، ڈرانے کے معنی میں ہے ، لوگ جو نذر مانتے ہیں کہ فلاں کام ہوا تو اللہ کی راہ میں فلاں چیز دونگا وغیرہ کو اس نذر سے مراد یہ ہے کہ انسان شریعت کے مقررکیے بغیر اپنے اوپر خودہی کسی کام کے کرنے کو واجب کرتا ہے اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے کسی ایک یا کچھ چیزوں کو چھوڑ دے۔
جب کوئی شخص کہتا ہے کہ:"نذرت لله امرا" میں نے اللہ کے لیے نذرمانی ہے، تو یہ نذر بغیر اس کے کہ اللہ کی طرف واجب کی گئی ہو، اس پر خودبخود واجب ہوجائے گی، دل میں ڈر اور اندیشہ لگارہتاہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خواہش پوری نہ ہوجائے، "انذار" کی بنیاد یہی ہے، یعنی ڈرانا، اور "نذر" ڈرنا اور ڈرانا، یعنی: وہ خبر جس میں ڈرانا اور خوف ہو۔
"انذار" کے مقابلے میں "تبشیر" ہے، یعنی وہ خبریں جن میں سُرور اور خوشی

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہو، مُنذر سے مراد وہ آدمی جو کسی شخص کو اس کے آگے کے برے انجام سے ڈراتا ہے خبردارکرتاہے، اور مُبَشِّر وہ آدمی جو کسی شخص کو اس کے آگےکے اچھے انجام پر خوشخبری دیتا ہے۔
درحقیقت دین اور قرآن میں انبیاء کا "انذار" ان کی "تبشیر" کے ماتحت ہے، یعنی انبیاء کرام کا مُبَشّر ہونا ان کے مُنْذَر ہونے پر مقدم ہے، کیونکہ الله کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے، یہ ممکن نہیں کہ انبیاء علیهم السلام کسی کو الله تعالیٰ کی وسیع رحمت کے دربار سے مایوس کردیں، اس لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ شروع ہی سے انذار سے کام کا آغاز کریں، سوائے اس مواقع کے کہ جس میں تبشیر کے ساتھ کوئی مثبت کام نہ ہو، ہمیں بھی الله تعالیٰ کے احکام اور نبی کریم صلی الله علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے اپنی دعوت و تبلیغ کے کام میں "تبشیر" کو بنیاد بنانا چاہیے، اور "انذار" بھی ضرورت کے تحت ہی کرنا چاہیے۔ (بنقل از: ترجمہ معانی قرآن)

لَا يَصۡلٰىهَآ اِلَّا الۡاَشۡقَىۙ‏ ﴿۱۵﴾	جس میں اس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا (۱۵)

اس میں کوئ داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی ہمیشہ رہےگا سوائے اس بدبختی کو اختیارکرنے والے کافر کے جو ہدایت سے منہ موڑتا ہے، وہ ہلاکت کا انتخاب کرتا ہے، ایمان میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور شیطان کی پیروی کرتا ہے۔
حدیث مبارکہ میں آتاہے امام احمدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا: (لا يدخل النار إلا شقي، قيل: ومن الشقي؟ قال: الذي لا يعمل بطاعة ولا يترك لله معصية) ترجمہ: " بدبخت کے سوا کوئی جہنم میں نہیں جائے گا، کسی نے پوچھا: بدبخت کون؟ آپؐ نے فرمایا: وہ جو اطاعت نہ کرے اور الله کی معصیت کا کوئی کام نہ چھوڑے"
واضح رہے کہ "اتقی" اور "اشقی" میں بھی ہر ایک میں لوگوں کی دوقسمیں ہیں:
لہذا، "اتقی" میں ایک نیک، اچھے اور باعمل مؤمن شامل ہیں جو ہر قسم کی برائیوں سے دوری اختیار کرچکے ہوں، اس میں وہ مؤمن بھی شامل ہے جو کبھی کبھار گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر اس پر پچھتا تا ہے ان دونوں کا بدلہ جنت ہے۔
"اشقی" میں وہ کافر شامل ہے جو الله تعالیٰ اور اس کے انبیاء اور کتابوں سے انکارکرتا ہے، اور وہ مسلمان بھی شامل ہیں جن کے دل میں الله اور اس کے رسول پر ایمان ہے، لیکن بعض گناہوں پر وہ مصرّو اور اڑے ہوئے ہیں ان سے توبہ بھی نہیں کرتے ، یہ خود اس کے یقین اور تصدیق کی کمی کی دلیل ہے، یہ حدیث مبارکہ اس کی دلیل ہے کہ رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے

(c) ketabton.com: The Digital Library

فرمایا: "جب زنا کرنے والا زنا کرتا ہے تو زنا کے وقت اس کا ایمان نہیں رہتا، اور جب چوری کرنے والا چوری کرتا ہے تو چوری کے وقت اس کا ایمان نہیں رہتا".
معلوم ہونا چاہیے کہ اشقی کا پہلا گروہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والا ہے، جبکہ دوسرا گروہ اللہ کی مرضی سے کچھ مدت تک جہنم میں رہے گا، لیکن آخر کار جنت میں لے جایا جائے گا (تفسیر انوارالقرآن)

الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰىؕ۝۱۶	جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا (۱٦)

وہی شخص جس نے قرآن کریم کو جھٹلایا ہے، اور اللہ کے احکام سے منہ موڑا ہے، رسالت کا انکار کرتا ہے، شریعت کے احکام ترک کرتا ہے، اور نواہی کا ارتکاب کرتا ہے، اسی طرح وہ احادیث کا رد کرتا ہے، اور دین پر عمل نہیں کرتا۔
"تَوَلّٰى" پیٹھ کرلیا، منہ موڑا، (اس کی تفصیل سورہ بقرہ آیت "۲۰۵" اور سورہ آل عمران آیت:۸۲ اور سورہ نجم آیت: ۲۹ میں ملاظلہ کیا جائے)

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَىۙ۝۱۷	اور اُس سے دور رہے گا نہایت پرہیزگار (۱۷)

اور بہت جلد متقی لوگوں کو اس خوفناک آگ سے بچالیا جائے گا، یعنی جو شخص "اتقی"ہے یعنی حق کی مکمل اطاعت کرنے والا ہے اور اپنا مال اللہ کی راہ میں اس لیے خرچ کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو ایسے آدمی کو دوزخ کی آگ سے دور رکھا جائے گا، اگرچہ یہ آیت کریمہ عام اور سب کوشامل ہے جو کوئی بھی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے، لیکن اس کے شان نزول سے یہ معلوم ہوتا ہے "اتقی" کے لفظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہے۔
ابن ابی حاتم عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ سات مسلمان ایسے تھے جن کو مشرکین نے اپنا غلام بنایاہوا تھا، جب وہ مسلمان ہوئے تو مختلف بہانوں اور طریقوں سے ان کو اذیتیں دی گئیں، حضرت ابو بکر نے اپنا مال خرچ کرکے ان کو کفار کی غلامی سے آزاد کروادیا، تو اس پر یہ آیت اُتری، (مظہری)۔
اس کے مطابق آیت کا آخری جملہ اس طرح ہے: (وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى)
یعنی جن غلاموں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کثیر رقم خرچ کرکے آزاد کروایا پہلے سے اُن غلاموں کا ان پر کوئی احسان نہیں تھا، کہ اس کے بدلے میں ایسا قدم اٹھایا ہو، بلکہ: (اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى) ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد اللہ کی رضا کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔
مستدرک حاکم میں حضرت زبیر سے منقول ہے کہ: حضرت ابوبکر صدیق

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی یہ عادت تھی کہ جب بھی کسی مسلمان کو کافر کے ہاں غلام دیکھتے تو اسے خرید کر آزاد کردیتے، اور یہ افراد عموماً مستضعفین میں سے ہوتےتھے، حضرت ابو بکر کے والد ابو قحافہ نے ان سے کہا: جب تم غلاموں کو آزاد کرتے ہو تو ایسے غلاموں کو آزاد کرو جو مضبوط اور بہادر ہوں، تاکہ کل تیرے دشمنوں کے مقابلے میں تیرے کام آئیں، اور تیری حفاظت کرسکیں، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے کہا: میرا ان کو آزاد کرنے کا مقصد ان سے فائدہ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ صرف اور صرف رب تعالیٰ کی رضا مندی چاہتا ہوں، (مظہری)

"الۡاَتۡقَی" سب سے زیادہ پرہیز گار، پرہیز گار ترین۔

الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ﴿۱۸﴾	جو اپنا مال (اس لیے) دیتا ہے کہ پاک ہوجائے (۱۸)

جو شخص اپنا مال و جائیداد (بغیر کسی شہرت، دکھلاوے، احسان جتانے اور تکلیف دیے بغیر الله کے راستے میں خرچ کرے) دیدے تاکہ اپنے آپ کو (اس کام کے ذریعے بخل کی خصلت سے) پاک کرے۔

"یَتَزَکّٰی " خود پاک کرتا اور رکھتا ہے، یہ فاعل سے حال یا بدل ہے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی ﴿۱۹﴾	اور نہیں کسی کا اس پر احسان جس کا بدلہ دے (۱۹)

کسی کا بھی نعمت میں سے اس پر کوئی حق نہیں (تاکہ اس کی نعمت کے احسان پر اسے جوابدہ ہو اور اس کی طرف سے اسے) اس کا بدلہ دیا جائے۔

"تُجۡزٰۤی " کسی نعمت یا احسان کا حق اُتارا جائے، شکریہ ادا کیا جائے۔

اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰی ﴿۲۰﴾	صرف اپنے رب کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے (۲۰)

"ابۡتِغَآءَ"چاہنا، طلب کرنا،" وَجۡہِ" ذات (مراجعہ فرمائیں سورہ: انعام/ 52، سورہ کہف/ 28، و سورہ قصص/ 88)

وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی ﴿۲۱﴾	اور وہ عنقریب خوش ہوجائے گا (۲۱)

یقیناً ایسا شخص اپنے اس کام سے جواس نے کیا ہے)راضی ہوگا اور (ان انعامات سے جو پروردگار اسےدے گا) خوشحال ہوجائے گا۔

"لَسَوۡفَ یَرۡضٰی" مطمئن ہوجائے گا، راضی ہوگا، یعنی جس نے اپنا مال خرچ کیا

اور رب کی رضا مندی کو مدنظر رکھا، کوئی ذاتی فائدہ اس کے ذہن اور نظر میں نہ تھا، تو الله تعالیٰ اسے جنت میں حیرت انگیز اور ابدی نعمتوں تک پہنچائے گا۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

انفاق

علماء انفاق کی تعریف میں فرماتے ہیں: اسلامی معاشرے میں لوگوں کے فرائض میں سے اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ ضرورت مندوں، غریبوں اور مسکینوں کی امدادکیا کریں، ہر شخص کی اپنی استطاعت اور صلاحیتوں کے مطابق فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کی زندگیوں میں آنے والے خلا کو پورا کرے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھے، جس طرح رب فقیر اور ضرورت مند کو فقیری اور غریبی کے ذریعے آزماتا ہے اسی طرح دولت مند آدمی کو دولت سےبھی آزماتا ہے۔

ضرورت مندوں، مسکینوں اور فقیروں کی مدد اگر خلوص نیت اور رضائے الٰہی کے لیے کی جائے تو اس کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان میں سے بعض اثرات دوسرے جہاں آخرت میں بدلہ اور انعام کی صورت میں اس پر ظاہر ہوں گے، بہت سی آیات اور احادیث کی کثیر تعداد میں ان میں سے بعض اثرات کی طرف اشارہ ہوا ہے ان میں سے حادثات اور ناگہانی اموات کی روک تھام اور آفات و پریشانیوں کا خاتمہ بھی ہے۔

انفاق قرآن میں

قرآن پاک میں انفاق کے بارے میں بہت سے احکام ہیں اور انفاق کی راہ میں خلوص سے کام کرنے کی تاکید کی گئی ہے قرآن کریم میں ایک آیت ہے کہ صدقہ کا آخری مقصد جوکہ مفادات اور خواہشات سے دل نہ لگانا اور وابستہ نہ ہونا۔

(لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ) (92 آل عمران)، (تم پوری نیکی ہر گز حاصل نہیں کرسکو گے، جب تک کہ اس میں سے کچھ خرچ نہ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو) سورہ بقرہ کی آیت ۲۷۴ میں رات اور دن میں چھپ کر اور کھلے طور پر خرچ کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے اور بعض نے اسے آیہ انفاق کہا ہے: (اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۲۷۴) ترجمہ: "جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہتے ہیں ان کاصلہ پروردگار کے پاس ہے اور ان کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم"

بعض مفسر کے مطابق: خرچ کرنے والے کو صدقات دینے میں دن ہو یا رات کو، چھپ کر علانیہ طور پرہرحال میں اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں کا خیال رکھنا چاہیے، چونکہ ضرورت مندوں کو صدقہ دینے اسے ظاہر کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے اسے چھپائیں تاکہ ان کی عزت نفس محفوظ رہے

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور اس میں اخلاص بھی زیادہ ہو، البتہ اگر دوسری مصلحتیں ہوں جیسے شعائر کی تعظیم اور دوسروں کو ترغیب دینے کےلیے اعلانیہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور انفاق میں کوئی ذاتی پہلو نہیں ہے کہ کسی کے احترام کا موجب بنے (جیسے جہادر اور دوسرے فلاحی کاموں میں خرچ کرنا اور اسی طرح کے اور کاموں میں)تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے کہ کھلے طور پر خرچ کرے۔

انفاق میں اخلاص اور دکھلاوا

قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص کے مختلف درجات ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل اور بخشش ہر شخص پر اس کے اخلاص کے مطابق ہوتا ہے، آخرت میں اعمال کے پیمانے کا وزن اور ہلکا پن اخلاص کے درجے پر منحصر ہے، سورہ بقرہ میں ان لوگوں کی حالت جو اپنے مال کو اللہ کو راضی کرنے کے لیے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک اچھے باغ سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایک اچھی زمین پر واقع ہو اور اس میں کافی زیادہ بارش برسے تو اپنا پھل دوگنا دے، یا اس پر کم بارش برسے، اس لیے جس طرح اچھی زمین سے ہمیشہ اچھی فصل حاصل ہوتی ہے اسی طرح عمل صالح کا نتیجہ بھی ہمیشہ اچھا ہوتا ہے، اور اللہ کی مہربانی اس میں شامل ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کے عمل سے باخبر ہے، اور اس عمل میں جو اخلاص کی مقدار ہے اس سے بھی باخبر ہے، (واللہ بما تعملون بصیر)

(قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَ اللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ) (بقرہ 263) ترجمہ:

"اچھی بات (ضرورت مندوں کے ساتھ) اور معاف کردینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد کسی طرح کی تکلیف پہنچانی ہو اور اللہ بہت بے پروا، بے حدبُردبار ہے"

یہ آیت دراصل پچھلی آیت کی تکمیل ہے، صدقہ دیتے وقت احسان جتانے اور تکلیف دینے کو چھوڑنے اور ترک کرنے پر ترغیب ہے، فرماتے ہیں: اچھی اور پسندیدہ گفتگو (حاجت مند کے سامنے) معاف اور درگزر کرنا (ان کے تکلیفوں اور اذیتوں سے) اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد ظلم اور اذیتیں دی جائیں ، یہ بھی جان لیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہو درحقیقت اپنی نجات اور بچاؤ کا ذخیرہ کررہے ہو، اور خدا تعالیٰ (اس سے) بے نیاز ہے یعنی اسے کی ضرورت نہیں ہے اور (تمہاری ناشکری اور برائیوں کے مقابلے میں)بُردبار ہے۔

بخل

بخل لغت میں: سخاوت، عطاء اور بخشش کرنے کے مقابلے میں بولاجاتاہے، اگر کوئی مالدار شخص اپنی دولت اور مال کسی جائز اور بہتر جگہ پر خرچ

(c) ketabton.com: The Digital Library

کرے تو یہ سخاوت کہلائے گی، لیکن اگر مال و دولت کسی مناسب جگہ پر خرچ کرنے سے گریز کرے تو یہ بخل کہلائے گا، (مفردات قرآن کریم، راغب اصفہانی، صفحہ ۱۰۹ "بخل").
لفظ بخل "۱۲" مرتبہ اور "۷" آیات میں (آل عمران: ۱۸۰، نساء، آیہ ۳۷؛ توبہ، آیہ ۷۶؛ محمد، آیات ۳۷ و ۳۸؛ حدید، آیہ ۲۴؛ لیل، آیہ ۸) میں مصدری صیغوں، فعل ماضی اور فعل مضارع کی صورت میں استعمال ہوا ہے، سورہ لیل کی آیت"۵ تا ۸"میں یہ لفظ "اعطاء" کے مقابل استعمال ہواہےجس کا معنی: دینے اور عطاء کرنے کا ہے، اس بناء پر جو بندہ دینے والا اور عطاء کرنےوالا نہیں ہے وہ بخیل ہے۔
اس لیے، فرہنگ اصطلاحات و مفاہیم قرآنی میں بخل کا ایک وسیع مفہوم بیان ہواہے اور اس کا اطلاق نیک اعمال کے ترک کرنے، جہاد، صدقہ، خیرخواہی اور اس جیسے کام نہ کرنے پر ہوتا ہے، بہ ہر حال، قرآنی لغت میں بخل اس کے لغوی معنی سے زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے، لہٰذا بعض نے بخل کو کرامت اور بزرگی کے خلاف سمجھا ہے اور کہا ہے کہ اس کے معنی ممانعت اور روکنے کے ہیں، کیونکہ بخیل شخص دوسروں کو کچھ دینے سے باز رہتا ہے اور دوسروں کو خود سے فائدہ اٹھانے سے روکتا ہے۔

بخل کے مضر اثرات

بخل کے ہر ایک درجے کے الگ الگ اثرات ہوتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ مال خرچ کرنے سے مطلق روکنا یہ ناشکری اور کفران نعمت کی علامت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بہت ساری نعمتیں دی ہیں تاکہ ان سے فائدہ اٹھائیں، خود اور دوسروں کو آخرت کے لیے جو ہمیشہ رہنے والی ہے تیار رکھے، اگر انسان اپنی عقل سے استفادہ نہ کرے، بیوقوفی اورجہالت میں رہے اورحقیقی عقلمندی اختیار نہ کرے تو وہ ناشکری کرنےوالاہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے تاکہ خدا کو اور خود کو پہچان لے، اور اپنی زندگی کے فلسفے اور حکمت کو جان لے اور خدا کے راستے میں صحیح طریقے سے چلے، جو شخص نعمتوں کو اکھٹا کرکے اس کے انبار لگادیتا ہے اور اس سے اچھے طریقے سے فائدہ نہیں اٹھاتا درحقیقت وہ نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے، بعض اوقات یہ بخل اپنے بارے میں ہوتا ہے، اور نہ صرف یہ کہ وہ نعمت کسی دوسرے کو نہیں دیتا، بلکہ دوسروں کو بھی بخل کا حکم اور ترغیب دیتا ہے (نساء آیہ ۳۷؛ المیزان، ج ۴، صفحہ ۳۵۵)
جو لوگ اللہ کی نعمتوں کو درست طریقے سے استعمال نہیں کرتے در حقیقت وہ لوگ قیامت، محشر اور اجر و ثواب کے منکر ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

لہذا اللہ تعالیٰ بخل کو ان لوگوں کی غلط بصیرت اور رویہ کی علامت قراردیتا ہے جو قیامت اور اس کے اجر کا انکار کرتے ہیں، (لیل آیات: ۸ اور ۹)

اجنبی کے باغ کے پھل کا استعمال

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ درخت جو کھلے راستے میں بغیر چار دیواری کے ہیں اور پھل والے ہیں، اگر ان کے پھل میں سے کھایا جائے یا فائدہ اٹھایا جائے تو شریعت کی رو سے کوئی ممانعت نہیں ہے، کیونکہ یہ درخت عام مسلمانوں کی ملکیت ہیں، ان کو بغیر کسی حفاظتی حصار یا دیوار کے چھوڑ دینا ان کا پھل کھانے کی اجازت اور اباحت کی دلیل ہے۔

حتی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو کسی باغ سے گزر رہا ہو اجازت دی ہے کہ اس کے پھل میں سے کھائے، لیکن یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ پھل کو جمع کرکے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہے، البتہ یہ نبوی اجازت اس باغ کے متعلق ہے جو کسی شخص کی ملکیت ہو، چنانچہ ان درختوں کے پھل اور میوے میں سے کھانا جو عام مسلمین کے ملکیت میں ہیں بطریق اولی جائز ہے۔

ابن عمر ؓ سے روایت ہےکہ فرمایا: (مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ وَلا يَتَّخِذْ خُبْنَةً) ترمذي (1287) ابن ماجہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: (إِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ بِحَائِطٍ فَلْيَأْكُلْ وَلا يَتَّخِذْ خُبْنَةً) ابن ماجه (2301) (وصححه الباني في صحيح الترمذي) یعنی: "جو کوئی بھی کسی کے باغ میں داخل ہو اس کے پھل سے کھائے لیکن اپنی جھولی نہ بھرے"

دوسرے الفاظ میں اس طرح روایت کی گئی ہے: "جب بھی تم میں سے کوئی کسی کے باغ سے گزرے اس کے پھل سے کھا سکتا ہے لیکن اپنے جھولی اس سے پُر نہ کرے"

دوسری حدیث ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (إِذَا أَتَيْتَ عَلَى رَاعٍ فَنَادِهِ ثَلاثَ مِرَارٍ فَإِنْ أَجَابَكَ وَإِلا فَاشْرَبْ فِي غَيْرِ أَنْ تُفْسِدَ، وَإِذَا أَتَيْتَ عَلَى حَائِطِ بُسْتَانٍ فَنَادِ صَاحِبَ الْبُسْتَانِ ثَلاثَ مَرَّاتٍ، فَإِنْ أَجَابَكَ وَإِلا فَكُلْ فِي أَنْ لا تُفْسِدَ) ابن ماجه (2300) وصححه الألباني في صحيح ابن ماجه) ترجمہ:"یعنی: جب تم کسی چرواہے کے پاس آؤ تو تین بار اسے آواز دو، اگر وہ جواب دے تو بہتر ورنہ اپنی ضرورت کے مطابق بغیر خراب کیے دودھ دوہ کر پی لو، اور جب تم کسی باغ میں آؤ تو باغ والے کو تین بار آواز دو اگر وہ جواب دے تو بہتر ورنہ اپنی ضرورت کے مطابق پھل توڑ کر کھا لو، البتہ خراب مت کرو"

یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ دوسروں کے باغ کے پھل میں سے کھانے

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی اجازت ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ ابتداء میں تین بار باغ والے کو بلائے، (مثلاً کہے کہ: اے باغ والے) اگر جواب دے تو اس سے اجازت لے، اگر جواب نہ دے تو بقدر ضرورت اس کے پھل سے کھاسکتا ہے، بغیر اس کے کہ حد سے تجاوز کرے یا اس میں سے کچھ توڑ کر اپنے ساتھ لے جائے۔
امام بن قدامہ اپنی کتاب "المغنی:۹/۳۳۲ " میں لکھتےہیں کہ: اگر (باغ)کی دیوار نہ ہو (یعنی اس کے اطراف کو کسی رکاوٹ یا دوسرے موانع سے بند نہ کیا گیا ہو) اور بندہ بھوکا ہو تو اس صورت میں اس کے پھل میں سے کھائے، اگر اس کو بھوک نہ ہو تو اس میں سے کچھ نہ کھائے۔
کہا کہ: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے چند لوگوں نے ایسا کیاہے ، اگر باغ کو دیوار کے ذریعے محفوظ کیاگیاہو تو اس سے مت کھاؤ کیونکہ یہ دیوار حریم جیسی ہے (اس باغ کے لیے) (اور مالک کی طرف سے عدم اجازت کی دلیل ہے) ابوزید تیمی سے روایت ہے کہا کہ: میں نے انس بن مالک، عبد الرحمٰن بن سمرۃ اور ابو بردہ کے ساتھ (رسول اللہ کے اصحاب) سفر کیا، اور وہ ایک باغ سے گزر رہے تھے اور اس سے کھا رہے تھے، اور یہ ابن عباس، ابوبردہ اور حضرت عمر ؓ کا قول بھی ہے، عمر ؓ نے کہا: کھاؤ لیکن اس سے کچھ بھی ساتھ لیکر نہ جاؤ، پھر امام احمد سے روایت کیا گیا ہے انہونے کہا: درخت کے نیچے گِرے ہوئے پھل سے کھاؤ، اگر درخت کے نیچے پھل نہ گِرا ہو تو دوسروں کے پھل سے نہ کھاؤ، اور لکڑی، پتھر درخت اور پھل پر نہ پھینکو اس لیے کہ اس طرح پھل خراب ہوجائیں گے (اور یہ حد سے تجاوز ہے)، پس اگر باغ کی حفاظت دیوار لگاکر کی گئی ہو تو اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، ابن عباس ؓ کے اس قول کے مطابق: اگر اس کے اِرد گرد کوئی دیوار ہو تو یہ اس باغ کے حریم کے طور پر تصور کیا جائے گا، تو پھر اس سے مت کھاؤ، اگر دیوار نہ ہو تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، (کہ اس کے پھل میں سے کھائے) اس کے اِردگرد دیوار اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مالک اپنے باغ کے پھل کھانے کی اجازت نہیں دیتا۔
لیکن شیخ عثیمین ؒ کہتے ہیں کہ: باغ کے اِردگرد کے دیوار کو اس کے پھلوں کو کھانے کے جواز یا عدم جواز سے مشروط کرنا محض ایک رائے ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: (من دخل حائطا) یعنی: جو کوئی بھی کسی حائط میں داخل ہو، اور حائط اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہو، اس بنیاد پر جو نخلستان جس کی اطراف میں دیوار ہو یا وہ باغ جو بغیر دیوار کے ہو کوئی فرق نہیں ہے، اور جو کچھ حدیث سے ثابت ہوتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ اس سے کھائے مگر اپنے

(c) ketabton.com: The Digital Library

ساتھ نہ لے جائے، درخت پر کوئی چیز نہ پھینکے بلکہ اپنے ہاتھوں سے پھل اتارے، یا اگر زمین پر گِرا ہوا ہو تو اس سے کھالے، اسی طرح یہ شرط بھی رکھی گئی ہے کہ باغ کے مالک کو تین بار بلائے، اگر جواب دے تو وہ اجازت لے کر کھائے، اگر جواب نہ دیا تو اس سے کھالیوے، یہ وہ چیز ہے جس پر حدیث دلالت کرتی ہے۔
امام احمد رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، لیکن جمہور کی رائے ہے کہ یہ کام جائز نہیں ہے، اس ضمن میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا تعلق اسلام کے ابتدائی ایام یا ہجرت کے اوائل سے ہے، اس زمانے میں لوگ غریب اور ضرورت مند تھے، جبکہ ضرورت نہ ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہے، لیکن صحیح رائے یہ ہے کہ یہ (حکم) عام ہے (چاہے محتاج بندہ ہو یا نہ ہو)
(الشرح الممتع: ۶/۳۳۹)

خلاصہ:

وہ درخت جو سڑک کنارے، عام راستوں میں اور خاص طور پر وہ درخت جن کا کوئی مالک نہ ہو ان کا پھل سے کھانا جائز ہے، اسی طرح اس باغ و بستان سے کھانا جن کے مالک ہو ں مگر شروط کی رعایت کرتے ہوئے کھاناجائز ہے۔

صدق الله العظيم وصدق رسوله النبي الكريم

Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library